عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ/ اپریل ۲۰۱۰ء

RegNo.P476

جلد:ھشتم

شمارہ:8

فھرست

فی شمارہ: -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک: -/180روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل: physiologist72@yahoo.com

mahanama_ghazali@yahoo.com <<<

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرالٰھی (قسط۔۱۲)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

لطائفِ ستہ:

اسی (ذکر سری) کے ضمن میں لطائف کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان 'لطائف' میں بھی 'ذکر' تصور کی قوتِ متحرکہ سے ہی زندہ ہو کر محسوس ہوتا ہے۔ 'لطائف' کی تعداد اور ان کے مقامات میں اختلاف ہے کہ سوائے لطیفۂ قلبی کے (جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے) باقی کشف سے معلوم ہوئے ہیں۔ اس لئے اختلافِ اہل کشف کی بنا پر ان کی تعداد اور تعین مقامات میں اختلاف ہے۔ عام طور پر حضرات نقشبندیہ کے ہاں جو 'لطائف' مذکور ہیں ان کا نام اور مقام بیان کیا جاتا ہے۔

	نام لطیفہ	مقام
۱:	نفس	زیرناف
۲:	قلب	بائیں پستان کے نیچے
۳:	روح	دائیں پستان کے نیچے
۴:	سِر	قلب وروح کے لطائف کے درمیان میں
۵:	خفی	دونوں ابرو کے درمیان
۶:	اخفی	سر کا تالو (ام الدماغ)

ان لطائف کے زندہ وصاف اور جاری یعنی ذاکر کرنے کیلئے بھی لطیفہ قلبی، کی طرح ایک ایک[1] لطیفہ کی طرف متوجہ ہو کر 'اللہ اللہ' کی آواز تصور سے اسی طرح سنی جاتی ہے۔ جیسے 'لطیفہ قلبی' سے مسموع ہوتی ہے اور جس کا تذکرہ 'ذکر سری' کے ضمن میں گذر چکا ہے۔ مشق وممارست (Practice) سے بعض اوقات علیٰحدہ علیٰحدہ لطیفہ 'ذاکر وزندہ' ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات 'فوقانی لطیفہ' کے 'احیاء' سے دوسرے لطائف بھی جاری وذاکر اور زندہ ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اگر ایک ایک 'لطیفہ' کو صاف کر لیا جائے تو قیام

[1] اگر استعداد ہو تو احیاناً بیک وقت بھی جملہ لطائف سے اسی اللہ اللہ کی آواز کو سنا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائے سلوک میں مشق وممارست کیلئے شیخ کی اجازت سے یہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے لیکن اولیٰ اول ہے۔

رسوخ واجراءِ ذکر میں سہولت رہتی ہے، بہرحال شیخ کی صوابدید پر ہے۔ ہمارے ہاں 'لطیفہ قلبی' کے علاوہ دیگر لطائف عموماً معمول بہا نہیں۔ حضرت والاؒ لطائف کے متعلق مختلف مکتوبات میں اپنے ایک عزیز خاص کو ارقام فرماتے ہیں، ''نقشبندیہ سلسلہ میں لطائفِ ستہ کا جو ذکر آتا ہے وہ حدیث وقرآن سے ثابت نہیں۔ حدیث وقرآن سے صرف لطیفۂ قلب ثابت ہے قرآن پاک میں ''قلب منیب'' اور قلب سلیم کا ذکر آتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ ٹھیک ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ الا وھی القلب۔ اسلئے حاجی صاحب کے سلسلہ میں سارا زور قلب کے تزکیہ پر ہے۔ (لطائف جاری ہونے کا) منشا یہی ہے کہ اللہ اللہ کی آواز ہر جگہ سے موہوم ہوتی ہے۔ ہمارے سلسلہ میں دوائر اور لطائف اور تنزلات وغیرہ کے مسائل معمول بہا نہیں۔ (تذکرہ سلیمان، ص ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۴۹)

غرض خانوادۂ نقشبندیہ میں ذکر کو ''رگ وپے'' میں بسانے کے لئے جملہ لطائف کو بھی ذکرِ سری کے ذریعہ پرانوار کیا جاتا ہے اور جو حضرات اس راہ سے گذر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ لطائف کے اجراء سے ذکر کی نورانیت کیسے چھا جاتی ہے اور انسان کیسے آلہ ذکر بن جاتا ہے۔

ذکر جھری و خفی اور ذکر دون الجھر:

حضرت الشیخ الامام نور اللہ مرقدہٗ 'ذکر لسانی' میں 'جہر مفرط' کو ناپسند فرماتے۔ حدیث شریف میں بھی ہے۔

اربعوا علی انفسکم انکم لاتدعون اصم ولا غائبا ان الذی تدعون سمیع قریب

ترجمہ: کہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔ اپنے نفسوں پر نرمی کرو جسے تم پکارتے ہو وہ سننے والا اور قریب ہے۔ (ابن کثیر، ص ۲۲۱، ج۔۲، بحوالہ الصحیحین)

ایک مرتبہ حضرت سیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مرید سے (جس سے بے اختیار بہت اونچی آواز سے 'الفاظ ذکر' نکل جاتے تھے) تربیتاً فرمایا:۔

'' اللہ تعالیٰ کا کسی کے چنگھاڑنے سے کیا بنتا ہے۔ انسان غیر اختیاری امور کا مکلّف نہیں۔ لیکن اپنی طرف سے تو ضبط کی کوشش ہو''۔ کہ ذکر میں کیفیتِ قلبی مقصود ہے نہ آواز کی بلندی وپستی، اسی سبب سے ایک طالب کے استفسار پر کہ کیسے ہو فرمایا تھا۔

ع　　نالہ پابندِ نے نہیں ہے

پھر مزید ارشاد ہوا تھا، میرے دو شعر ہیں

؎　جو آج لذت دردِ نہاں کا جویا ہے　　وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغدار کرے

وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں میرے نالوں　　وہ طرز نالہ ہو جوان کو بے قرار کرے

شیخ کی مراد یہ تھی کہ ذکر کچھ اس درد و سوز، اخلاص و یقین اور تاثیر قلبی میں ڈوب کر کیا جائے کہ رحمت الٰہیہ کو جوش آجائے اور وہ ''انجذابی'' صورت میں متوجہ ہو جائے کہ بقول عارفِ رومی

؎　گر نہ گرید طفل کے جوشد لبن　　گر نہ گرید ابر کے کہ خندد چمن

ترجمہ:　اگر بچہ نہ روئے تو دودھ کیسے جوش مارے اور اگر بادل نہ برسیں تو چمن میں کیسے پھول کھلیں۔

ایسا 'ذکر' جس میں 'خون جگر' اور [۱] پارہ ہائے دل کی آمیزش ہو تو رضائے الٰہیہ کا خاص مورد ہے۔ عرض ذکر کی کیفیت قلبی میں جس قدر طلب و سوز والہیت اور توجہ تام ہو گی۔ اسی قدر ذکر مؤثر ہو گا اور یہ تمام 'کیفیات' ''میانِ عاشق و معشوق رمزیست'' کی مصداق ہیں۔ جن کا اظہار و اعلان 'طریق عاشقی' و آئین درویشی کے خلاف ہے کہ بقول سلطان الہند امامِ خانوادہ چشتیہ حضرت شاہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، '' وہ شخص دوستی کے قابل نہیں جو دوست کے راز کو فاش کرے''۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا شعر ہے۔

؎　المدد توفیقِ ضبط والمدد تابِ سکوت　　لب پہ لے آئے نہ جوش دل کبھی اسرار دل

سچی بات ہے کہ ہر ایک کا کلیجہ نہیں کہ دل پر آرے چلیں اور زبان پر اف تک نہ ہو۔

؎　تو اے مردہ دلے زاہد یکے در بزم رنداں شو　　کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

ترجمہ: اے مردہ دل زاہد کچھ دیر رندوں کی مجلس میں آجاؤ کہ ہونٹوں پر تو ہنسی دیکھو گے اور دلوں میں آگ۔

---

[۱]　حضرت سیدی قدس سرہٗ کا شعر ہے

؎　قطرۂ اشک میں ہوں دل کے بھی ٹکڑے شامل

فطرتِ دیدۂ خونبار کہاں سے لاؤں

خصوصاً حضرات چشتیہ جن کا شعار ہی اِس شعر کا مصداق ہے۔

ے سوختن و افروختن و جامہ دریدن

پروانہ زمن، شمع زمن گل زمن آموخت

ترجمہ: جلنا، روشن ہونا اور کپڑے پھاڑنا پروانے نے، شمع نے اور پھول نے مجھ سے سیکھا ہے۔

غرض ’ذکر‘ مذکور سے تعلق کیلئے ہے اور مستور ازل، سے تعلق قلبی اور اسکی یاد جس قدر ’مستور‘ ہو بہتر ہی ہے۔ خصوصاً مبتدی حضرات کا اکثر حالات میں ’سمع دریا‘ سے بچاؤ ذکر خفی یا جہر غیر مفرط ہی سے ہوسکتا ہے۔ اس لئے شریعت مطہرہ میں جہاں جہر کا حکم ہے وہاں تو بقدرِ امر الٰہی جہر مامور ہے۔ ورنہ عام حالت میں ’ذکر خفی‘ ہی مناسب ہے۔ الا یہ ہے کہ شیخ علاج یا کسی اور حکمت کی بنا پر جہر کی تلقین کرے اور وہ جہر بھی ایسا ہو، جس سے حقوق العباد ضائع نہ ہوں اور کسی کو اذیت نہ پہنچے کہ جہر مقصود بالذات نہیں بلکہ حدود وقیود کے ساتھ جائز ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے سلسلہ میں ’ذکر بالجماعۃ‘ کا بھی دستور نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض شیوخ وسلاسل ”تربیتی مصلحتوں وحکمتوں“ کی بنا پر اسے اجتہاداً بہتر سمجھتے ہوں۔ اس لئے اعتراض کی گنجائش نہیں۔

ے وللناس فیما یعشقون مذاھب

انسانوں کے محبت کے اپنے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔

ورنہ مسلکِ سلیمانی حضرت الشیخ قدس سرہ کی تحریر سے ظاہر ہے۔ ”ذکر بالجماعہ کا دستور ہمارے ہاں نہیں۔ اس میں ریا اور دوسری خرابیاں ہوتی ہیں“۔ (تذکرہ سلیمان، ص۴۲۲)

[حضرت مولانا زکریا صاحبؒ اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ اجتماعی ذکرِ جہری کرواتے تھے۔ ہمارے سلسلے کا اجتماعی ذکر موجودہ حالات کی بنا پر حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ کی اجازت سے ہی شروع ہوا تھا۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ]

بہرحال حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ طالبین کو ذکر ’خفی‘ ذکر سری یا ذکر ’جہر غیر مفرط‘ جسے قرآن ”دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ“ کے لفظوں سے یاد کیا گیا، کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں: ” آپ جو پندرہ منٹ مراقبہ کیلئے وقت نکالتے ہیں۔ اگر کچھ وقت اور ملے جیسے صبح کی نماز

کے وقت یا تہجد میں یا کسی اور وقت تو ایک ہزار دفعہ 'اللہ اللہ' ذرا ہلکے نغمہ سے آہستہ آہستہ اس حد تک کہ آپ کے کان میں آواز آئے تسبیح پر گِن کر ذکر کرلیا کیجئے۔ آنکھیں بند ہوں، اور یہ تصور ہو کہ اللہ کا کلمہ نورانی حروف سے آپ کے سینہ پر لکھا ہے۔ اگر آپ تعلیم یا کسی اور کام میں مصروف ہوں۔ تو اس میں نقصان نہ ہو، ہر کام میں خدا کی رضا کی نیت رہے۔ انشاء اللہ آپ کیلئے دین کا راستہ کھلے گا۔'' اپنے ایک مسترشد خاص کو رقم فرماتے ہیں۔'' ذکر جہری اور سری دونوں مشروع ہیں، اب جس کو جس سے مناسبت ہو، جہری کے معنی یہ ہیں کہ جس کی آواز اپنے کانوں کو سنائی دے، جس کو قرآن پاک میں ''دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ'' کہا گیا ہے۔'' ایک اور سالک کو تحریر فرمایا: ''.......پھر ڈھائی ہزار مرتبہ ذرا ہلکی آواز سے پڑھیں، ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب کے، مگر سمجھیں کہ ضرب کوئی دینی امر نہیں۔'' ایک اور مرید کو تلقین فرماتے ہیں: ''اس کی ضرورت ہے کہ وقت معین کر کے پوری توجہ کے ساتھ اسم ذات کی معین مقدار کا ایک نشست میں یا متعدد نشستوں میں حسبِ سہولت ایسی آواز سے جو سنی جاسکے بغیر ضرب کے ذکر کریں، اسکی زیادہ سے زیادہ تعداد ۲۴ ہزار اور کم سے کم ۳ ہزار ہے۔ آپ کم سے کم شروع کر کے حسب توفیق جس قدر پہنچا سکیں۔''

ذکر جهر میں مستی ہے:

ذکر بالجہر کیونکہ نسبتاً اونچی آواز سے ہوتا ہے اس سے طبعاً قلب میں رقت یا جوش اور بعض اوقات مستی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ ایک طالب نے لکھا: ''پچھلے کچھ دنوں سے قلب میں اِک سوز کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ کچھ مستی محسوس کرتا ہوں، عشقیہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور ان سے تسکین ہوتی ہے۔ ذکر بھی جو کہ ہمیشہ خفی کرتا ہوں اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ جہری کرنے کو جی چاہتا ہے''۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا:.......''یہ بھی کیفیت ہے جو مستحسن ومحمود ہے، ذکر جہری کرنے یا عشقیہ اشعار پڑھنے کو جی چاہے تو پڑھ لیں، خواجہ مجذوب صاحبؒ کے اشعار اس کیلئے مفید ہیں۔'' ایک اور مسترشد نے لکھا.........

''ذکر خفی کی بجائے پھر جہری کی طرف طبیعت کا میلان ہے مگر اس میں ضعفِ دماغی کا قوی امکان ہے۔'' حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا.......'' ذکر جہری میں مستی ہے اسلئے جی چاہتا ہوگا، اپنی طبیعت کا اندازہ کرلیں پھر فیصلہ کریں''۔

(جاری ہے)

بیان (۰۶-۰۱-۲۰۰۰) (پہلا حصہ)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

خطبۂ ماثورہ:

محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے جب سے انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے تو اس کی دو ضرورتیں تھیں۔ ایک ضرورت اس کی تھی مادی اور جسمانی اور ایک اس کی ضرورت تھی علمی اور روحانی۔ تو مادی اور جسمانی ضرورت کے بارے میں جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا ہے تو اس کو استعداد دے دی اس میں یہ امر رکھ دیا کہ قیامت تک جتنے انسان بھی آئیں گے ان کے لئے یہ کافی ہے۔ جن دنوں چاند پر لوگ اُترنے لگے تو حضرت مولانا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ہم بیٹھے ہوئے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ چاند پر اترنے سے ان کی کوئی بھی ضرورت پوری نہیں ہوگی کیونکہ انسان کی کوئی ضرورت چاند کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ اور پھر انھوں نے آیت پڑھی

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّ اَمْوَاتًا

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا زندوں کے لئے اور مُردوں کے لئے۔

پھر وہ فرمانے لگے کہ زمین تمہارے زندہ اور مردہ انسانوں کی ساری ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ انسان کی ضرورت زمین کے علاوہ کسی چیز کے ساتھ کہیں بھی متعلق نہیں ہے۔ تو واقعی اتنا عرصہ گزر گیا اس کے بعد اس کو ۳۰ سال ہو گئے ہونگے تو اب تک چاند سے انسان کی کوئی بھی ضرورت پوری نہیں ہوئی۔ انسان کو اپنا کوئی ذاتی فائدہ چاند سے نہیں ہوا ہے۔ پھر مولانا صاحبؒ **علم الآدم اسماء کلھا** اس آیت کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے۔ نام سکھانے کا صرف یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ پتھر ہے اور یہ سونا ہے یہ چاندی ہے یہ چونا ہے اور یہ انگور ہے یہ فلاں چیز ہے، صرف نام نہیں سکھائے بلکہ انسان کی سرشت میں اشیاء سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ودیعت فرمائی، ڈال دی۔ اور جس جس دور میں انسان کی جو جو ضرورت سامنے آتی رہی تو اس کی سرشت سے وہ قوت اجاگر ہوتی رہی اٹھتی رہی اور ضرورت کا حل انسان پاتا رہا اور زمین سے نکالتا رہا۔ اب دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مٹی کے تیل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہی زیتون کا تیل

سرسوں کا تیل ہی جلتا رہا ہے اور اس وقت کی آبادی کے لئے وہ کافی ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد لکڑی کافی ہوئی ہے۔ اب اگر لکڑی کے ساتھ انسان کی ضرورتیں متعلق ہوتیں تو آج کا انسان بغیر آگ کے اور بغیر کھانے کے پکنے کے بیٹھا ہوا ہوتا، اتنی آبادی ہوگئی ہے۔ تو یہ ضرورتیں اللہ پوری کرتا رہا ہے۔ پٹرولیم اللہ نے پہلے مٹی کے تیل کی شکل میں پیدا کیا۔ پھر آگے اور پٹرولیم نکلا۔ پھر اس سے انسان کی توانائی کی ساری ضرورتیں پوری ہوئی ہیں۔ پھر گیس نکلی ہے۔ اس پاکستان میں اگر گیس نہ ہو تو یہاں زمین پر درخت کا گرا ہوا کوئی پتا نہ ملے۔ صبح سویرے شاہ صاحب ایک طرف سے جھاڑو لے کر آرہے ہوں گے میں دوسری طرف سے لے کر آرہا ہوں گا۔ آپس میں ہمارا جھگڑا ہوگا کہ یہ پتے پہلے نہ سمیٹ لے مجھ سے، کہ جلائیں گے کیا۔ اور کابلیوں کو تو ہم چھوڑتے ہی نہیں یونیورسٹی میں کہ پتے یہاں سے سمیٹنے کے لئے آئیں گے جلانے کے لئے۔ تو ہم صبح سویرے سویرے ان کو سمیٹ لیتے۔ کچھ دنوں میں گیس کا بحران آیا تو ہمارے بچے سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کریں گے؟ جب انہوں نے ہمیں لکڑیاں جلاتے ہوئے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے کہ آگ ایسے بھی جل سکتی ہے اور چیزیں پک سکتی ہیں۔ ہمیں یہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا اور بچے کچھ ہوشیار ہوگئے تو میں ان کو گاؤں لے گیا۔ انہوں نے وہاں گندم دیکھی تو ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے "دا سپگو پشان شے سه دی؟ کہ یہ جوؤں کی طرح چیز کیا ہے؟ تو ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ گندم کیا ہوتی ہے اور آٹا کیسے بنتا ہے؟ سبحان اللہ! خیر جب لکڑی انسان کی ضرورت کے لئے ناکافی ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے گیس نکال دی، وہ چل رہی ہے، پٹرول ہے۔ سب انسانوں کی توانائی کی ضرورت پوری ہو رہی ہے۔ اسی طرح اگر کپڑے کا دارومدار روئی پر ہوتا تو ایک جوڑا کپڑا بھی بڑے مشکل سے ملتا۔ اور چمڑے پر دارومدار ہوتا جوتوں کا تو انسانوں کے پاس ایک جوڑا نہ ہوتا جوتوں کا پہننے کے لئے۔ اللہ کی شان کہ پٹرولیم کے نیچے جو جیلی نکلتی ہے اس سے ٹیرون وغیرہ بنتے ہیں۔ تو کپڑا پٹرول سے بننے لگا اور شاید سیلیکان سے بھی بنتا ہے۔ پہلے زمانے میں جب کوئی بہت خاص مہمان آتا تھا تو اس کو مرغ کھلانا خاص اعزاز کی بات ہوتی تھی اور دسمبر جنوری کے مہینے میں انڈے کا ملنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اور اب جناب عالی مرغیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، انڈوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ امریکہ کو گندم سمندر میں پھینکنا پڑتا ہے کیونکہ سنبھالنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ سمندر تک کے لے جانے (Transportation) کا خرچہ

بچانے کے لئے غریب ممالک کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ گندم آپ آکر مفت لے جائیں۔ اگر اُن کا اپنا فائدہ نہ ہوتا تو یہ مفت گندم کسی کو نہ دیتے۔ تو اتنی بہتات ہے کھانے پینے کی چیزوں کی۔ بلجیم اور ہالینڈ نے مرغیاں سمندر میں پھینکیں کیونکہ پیداوار بہت ہوگئی تھی اور استعمال کرنے والا کوئی نہیں تھا، اگر چھوڑتے تو مرتیں اور سڑتیں اور بدبو اور تعفن پیدا ہوتا تو ان سے جان چھڑانے کے لئے سمندر میں پھینکا۔ تو اتنی کھانے پینے کی چیزوں کی بہتات ہوگئی۔ اور یہ جو قحط کے حالات آتے ہیں تو یہ انسانوں کی غلط منصوبہ بندی کا نتیجہ ہوتے ہیں ورنہ عام طور سے انسان کو فاقے کی نوبت نہیں آتی۔ تو عرض یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے انسانوں کی بدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کی استعداد زمین کو ودیعت کی ہوئی ہے۔ اور زمین سے اپنی ضرورت کی چیزوں کے حاصل کرنے کا علم انسان کو ودیعت کیا ہوا ہے۔ زمین پر جتنے انسان آئیں گے اُن کی ضروریات کا بندوبست ہوتا رہے گا اور یہ قطعاً کوئی مسئلہ نہیں بنے گا۔

گاؤں میں زمینداری کا رواج ہوتا ہے تو چھوٹے بچوں نے بھی اپنے لئے ایک ایک دو دو بالشت کے کھیت بنائے ہوتے ہیں۔ بچے بڑوں کو جو کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں ویسے ہی کھیل بناتے ہیں۔ تو میرے بھتیجے نے بھی اپنے لئے دو بالشت کا کھیت بنایا۔ اس میں اُس نے کدو اُگائے، دو پودے نکلے۔ وہ میرا پوچھتا رہتا تھا کہ چچا کہاں ہوتا ہے کبھی آتا بھی ہے؟ اُس کو بتایا کہ وہ پشاور میں ہوتا ہے ایک بڑے بزرگ کی خدمت میں۔ اُس کو حضرت مولانا صاحبؒ سے ملنے کا بڑا شوق ہوتا تھا۔ پھر پوچھتا یہ بزرگ کیا ہوتے ہیں؟ بتایا گیا کہ بزرگ اللہ کے خاص تعلق والے لوگ ہوتے ہیں، دعا کرتے ہیں قبول ہوتی ہے، دم کرتے ہیں شفا ہوتی ہے۔ اس کو بڑی خوشی ہوئی۔ جب میں گاؤں گیا تو اُس نے کہا کہ میں نے کدو کاشت کئے ہیں، اب تم ایسا دم کرنا کہ اُس پر بہت سے کدو آجائیں۔ وہ ایک لوٹا پانی لے کر آگیا۔ میں نے سوچا کہ یہ اس بچے کی معصوم تمنا ہے اور اس کا جو اعتقاد ہے بزرگوں پر اور ہمارے دم پر تو اللہ تعالیٰ اس کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ میں نے غور کیا کہ کدو کے بارے میں کوئی آیت ہوئی ہے تو سورۂ صٰفٰت کی آیت یاد آئی **و انبتنا علیه شجرة من یقطین** کہ ہم نے یونس علیہ السلام پر کدو کی بیل اُگائی۔ میں نے گیارہ بار درود شریف پڑھا پھر یہ آیت گیارہ بار پڑھی اور پھر گیارہ بار درود شریف پڑھ کر اُس کے لوٹے پر پھونک ماری۔ اُس نے جا کر وہ پانی اپنے کھیت میں ڈال دیا۔ تو اُن دو پودوں پر اتنے کدو آئے کہ خود بھی کھاتے

تھے اور لوگوں میں تقسیم کرتے تھے اور وہ ختم ہونے کو آتے ہی نہیں تھے۔ سبحان اللہ! ایک بالشت کا کھیلنے کا کھیت دیکھو اور اس کی فصل کو یہ سنبھال نہیں سکتے۔ سبحان اللہ! اس زمین پر ایسی برکت کا زمانہ گزرا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک جوڑا بچوں کا صبح پیدا ہوتا تھا اور ایک شام کو۔ چوبیس گھنٹوں میں دو ڈیلوریاں ہوتی تھی انسانوں کی۔ جس وقت عیسیٰ علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو اعمال اس حد تک درست ہو جائیں گے کہ اس کے چالیس سالہ دورِ خلافت میں لوگوں کے دلوں میں بھی ایک دوسرے کے لئے بغض نہیں ہوگا۔ اس کے نتیجے میں ایسی برکت آئے گی کہ سانپ بچھو کا زہر ختم ہو جائے گا۔ یہ جو ہم غیبت کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں اُن کا زہر بنتا ہے۔ ایک اُونٹنی کا دودھ ایک قوم کے لئے کافی ہوگا اور ایک بکری کا دودھ ایک گھرانے کے لئے کافی ہوگا، اتنا بڑا انار پیدا ہوگا کہ اس کو دو ٹکڑے کر کے اُنٹ پر لادا جائے گا۔ زمین پر ہل چلانے کی ضرورت نہیں ہوگی ایسے ہی بیج پھینکیں گے اور فصل ہوگی۔ سبحان اللہ! ایسی برکات ظہور پذیر ہوں گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کی بدنی ضروریات کا زمین سے پورا ہونے کا بندوبست فرمایا۔ انسان کی ساری ضرورتیں زمین، زمین سے اُگنے والی اور زمین سے نکلنے والی چیزوں سے پوری ہوتی ہیں۔

ہمارے گاؤں کی ایک محترم خاتون تھیں اُن کے لئے میں نے ۱۹۹۵ء میں حجِ بدل کیا تھا۔ اُنہوں نے پیغام بھیجا کہ ڈاکٹر فدا سے کہو کہ تیاری کرے اور میرا حجِ بدل کرے۔ اُن کے گردے ناکارہ ہو گئے تھے اور Chronic renal failure کی مریضہ تھیں۔ میں اُن کے لئے دعائیں مانگتا رہا، وہاں پر بھی اور یہاں پر بھی کہ یا اللہ شفا دے دے۔ اُن کا ایک بل میں نے پاس کروایا تھا تو اُس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ان کا بیٹا آیا۔ میں نے کہا مجھے تو نہیں پتہ تھا کہ آپ کا ہے، لیکن چونکہ آپ کا حق تھا اس لئے میں نے کہہ دیا کہ اس کو پاس کریں۔ میں نے پوچھا کہ اب آپ کی والدہ صاحبہ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ اب اللہ کا فضل ہو گیا ہے۔ چراٹ میں ایک بزرگ تھے انہوں نے ایک پودا بتایا اس کی جڑیں ہم نے نکالیں اس کو ابالتے ہیں اور پلاتے ہیں اور ڈایالیسس سے ہم فارغ ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارا بھی ایک مریض ہے ہمیں بھی بتا دیں۔ اس نے کہا کہ یہ ہر جگہ اگتا ہے، اس نے یونیورسٹی میں مجھے دکھایا وہ پودا۔ ہم نے نکالا اور تین مریضوں پر اس کو استعمال کیا دو کو فائدہ ہوا۔ یوریا ۱۲۰ سے ۶۰ پر آ گیا تھا۔ تو یہ اللہ

تعالیٰ کی شان کہ یہ پودا زمین پر موجود تھا لیکن ہمیں پتہ نہیں تھا اور یہ اُن بزرگوں کی کرامت تھی یا انھوں نے دعا مانگی کہ اللہ نے اُن پر کھول دیا۔ تو ساری ضرورتیں زمین سے پوری ہونے کا بندوبست ہے۔

دوسری ضرورتیں انسان کی روحانی اور علمی ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدایا فلا خوف علیھم و لاھم یحزنون تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی یہ مضارع کا صیغہ ہے کہ قیامت تک آتی رہے گی مگر اس میں قادیانیوں کے عقیدے کی گنجائش نہیں نکلتی کہ گویا قیامت تک پیغمبر آتے رہیں گے کیونکہ دوسری آیات اور احادیث نے آخری پیغمبر کہہ کر اس کو بند کر دیا۔ نظامِ ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت محکم، مستحکم اور بڑا زبردست بندوبست فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور تعلیمات آتی رہیں۔ انسانیت کا ارتقاء ہو رہا تھا اور انسانیت ترقی کر رہی تھی اس لئے پیغمبر ایک خاص دور کے لئے آتے تھے اور اُن کی تعلیمات اسی دور کے لئے ہوتی تھیں اس کے بعد وہ ختم ہو جاتی تھیں پھر دوسرے پیغمبر آتے تھے۔ حضرت مولانا صاحب فرماتے تھے کہ بچہ جب بڑھا ہو رہا ہوتا ہے تو اس کے کپڑے ایسے نہیں بناتے جو زیادہ عرصہ کے لئے ہوں اور درزی سے کہا جاتا ہے کہ ذرا بڑے بناؤ کیونکہ بچہ بڑھا ہو جاتا ہے اور پھر پہننے کے نہیں ہوتے ہیں۔ بچہ درزی سے کہتا کہ بڑے نہ بناؤ پھر برے لگتے ہیں اور لٹک رہے ہوتے ہیں اور ہم پیچھے سے کہتے کہ وہی کرو جو ہم کہہ رہے ہیں۔ پھر ۳۵، ۴۰ سال کا ہونے کے بعد ۶۰، ۶۵ سال تک ناپ کوئی خاص نہیں بدلتا۔ پھر درزی کہتا ہے کہ جی اپنا ناپ پکا لکھوا لو پھر جب بھی آؤ تو ہمیں نمبر ہی بتایا کرو بار بار ناپ لینے کی ضرورت نہیں۔ تو انسانیت ارتقاء کر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اپنے اوجِ کمال پر آ گئی اور مزید ضرورت نہ رہی۔ اس لئے آخری تعلیمات قرآن کی شکل میں آ گئیں۔ عرب معاشرے میں لکھنے لکھانے کا رواج نہیں تھا۔ وہ زبانی بولتے تھے اور مجلس میں بیٹھ کر سنتے تھے اور یاد کر لیتے تھے۔ اور ان کو بڑے بڑے قصیدے اور اشعار زبانی یاد ہوتے تھے۔ یہ انساب کی معلومات رکھتے تھے کہ گزشتہ سو سال میں ہمارا خاندان، ہمارا گاؤں ہمارا قبیلہ کس حال میں رہا، کون بڑا پہلوان گزرا، بڑا شاعر گزرا، کون سی بڑی جنگیں ہوئیں، کس نے کیا کارنامہ کیا، کس نے کیا کیا عہد کئے، یہ سارا زبانی سناتے تھے۔ ان کے حجرے لگتے تھے اس میں بڑے بوڑھے آکر بیٹھتے تھے۔ یہ ان کی ثقافت تھی اور یہی اُن کا ادب تھا اور یہی ان کی

تعلیمات تھیں۔ لیکن اسی صدی میں جب قرآن کا ظہور ہونے والا تھا لکھنے کا رواج ہوا۔ ان کے کچھ دانشوروں نے اب ت ث حروف بنائے پھر ان کی آوازوں کے ساتھ ان کی مطابقت کی کہ اس طرح لکھیں گے اور ب کی آواز ہونٹوں کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور ج اس طرح ہوگا۔ اور آہستہ آہستہ عربی زبان لکھنے کا رواج ہوگیا۔ اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ لکھنے کا کام منشی کرتے تھے اور معزز لوگ نہیں کرتے تھے، وہ تو بیٹھا ہوا کاروبار کرتا تھا اور منشی کو کہتا کہ تو لکھ۔ تو غریب غرباء لوگ منشی بننے کے لئے لکھنا سیکھ لیتے تھے کہ کوئی مزدوری مل جائے گی۔ کچھ لوگوں نے اس کو چھپ چھپا کر سیکھ لیا۔ خلفائے راشدین نے لکھنا سیکھا ہوا تھا، امیر معاویہؓ کو لکھنا آتا تھا۔ اسی طرح بعضے اور صحابہ کرامؓ کو اور معاشرے کے افراد کو لکھنا آتا تھا۔

قرآن کا نزول جب شروع ہوا تو تھوڑے عرصہ بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لکھوانے کا بندوبست فرما لیا اور لکھا جانے لگا۔ پتھر کی سلوں پر، شانے کی چوڑی ہڈیوں پر اور کھجور کی شاخوں پر اور چمڑے پر لکھا گیا۔ کھجور کے پتوں پر نہیں بلکہ اُس کا ڈنٹھل ہوتا ہے اُس پر لکھا جاتا تھا۔ نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبِ وحی کو بلاتے تھے اور اُن سے لکھوا لیتے تھے۔ پھر آپؐ فرماتے تھے کہ پڑھ کر سناؤ، وہ سناتے اگر اس میں کوئی کمی کوتاہی رہ گئی ہوتی اُس کو درست فرماتے تھے اور وہ آدمی اس کو بطور یادگار اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ اور اس کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ اس یادگار کو لکھتے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس کے ساتھ دو گواہ بھی ہوں۔ تو نزول ہوتا رہا ہوتا رہا اور اس طرح کا ریکارڈ مختلف کاتبینِ وحی کے پاس تیار ہوتا رہا اور اُن سے اور لوگ بھی لکھتے رہے۔ سارا دن اُس کو سناتے رہتے تھے، مذاکرہ کرتے رہتے تھے مثلاً آج چار آیتیں نازل ہوئی ہیں اور ایک صحابیؓ نے سنی ہوئی ہیں تو وہ جن دس آدمیوں سے ملے تو دس بار سنایا انہوں نے اُن آیات کو۔ وہ دس سنتے تھے اور آگے اور لوگوں کو سناتے تھے۔ پھر کہیں کوئی زبر زیر کی غلطی حافظ سے ہو جاتی تھی تو دوسرا آدمی کہتا کہ اس وقت میں آپ کے ساتھ تھا وہ اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہا ہوا ہے تو اسی وقت اُس کو درست کر لیتے تھے۔ اور اگر وہ کہتا کہ مجھے تو اسی طرح یاد ہے تو دوسرا کہتا کہ لکھا ہوا دیکھ لیتے ہیں اور پھر لکھے ہوئے کو دیکھ کر غلطی والا اپنی تصحیح کر لیتا۔

اسی طرح کرتے کرتے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت ہوا تو آخری

آیتیں نازل ہوکر محفوظ ہوگئیں۔ ہر سال رمضان کے مہینے میں جبرئیل علیہ السلام آ کر جتنا قرآن اُس وقت تک نازل ہوا ہوتا تھا حضور ﷺ کو پڑھ کر سناتے تھے اور ایک بار حضورؐ پڑھ کر سناتے تھے۔ اور اس میں صحابہ کرامؓ بھی اپنے مخطوطے لے کر بیٹھے ہوتے تھے اور اس کے ساتھ taly کر رہے ہوتے تھے کہ کوئی غلطی کوتاہی تو نہیں ہے۔ اس بات کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''خطباتِ بہاولپور'' میں لکھا ہوا ہے اور کسی کا حوالہ بھی دیا ہوا ہے۔ اور آپؐ کے دنیا سے رخصتی والے سال جب کہ قرآن تقریباً مکمل ہو چکا تھا اس رمضان میں آپؐ نے دوبار پڑھ کر سنایا ہے اور دوبار ٹیلی کیا ہے۔

حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ مجموعہ مختلف صحابہ کرامؓ کے پاس بکھرا ہوا پڑا تھا۔ جس وقت جنگِ یمامہ میں بہت سے حافظ صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ قرآن کو کتابی شکل میں لکھا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مؤقف یہ ہوتا تھا کہ حضور ﷺ جس چیز کو جس حال میں چھوڑ کر گئے ہیں وہ اسی حال میں رہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اکٹھا کر کے کتابی شکل میں حضور ﷺ نے نہیں دیا تو ہم کیسے دیں۔ خیر یہ بحث ہوتی رہی، بار بار یاد دلاتے رہے یہاں تک کہ اُن کے دل میں یہ بات آ گئی۔ اس طرف بھی خیال گیا ہوگا کہ **ذالک الکتاب** کہا ہوا ہے یعنی شکل اس کی کتاب کی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اس کو کیسے کریں؟ تو حضرت زید بن ثابتؓ کو مقرر کیا گیا۔ ہر ایک آدمی اپنی تحریر کو لے کر آتا تھا اور ساتھ دو گواہوں کو لاتا تھا، حضرت زید بن ثابتؓ خود بھی حافظ تھے۔ تو اس تحریر کو پڑھواتے تھے اور دو گواہ اس کی گواہی دیتے تھے تب حضرت زید بن ثابتؓ اس کو رکھ لیتے تھے۔ یہاں تک کہ کرتے کرتے سارا جمع ہو گیا۔ ہر تحریر کے ساتھ دو گواہ ہوتے تھے۔ ایک تحریر ایسی آئی جس کے ساتھ ایک ہی گواہ تھے حضرت خزیمہؓ۔ اب اگر لیتے ہیں تو دو گواہوں والا اصول چھوڑنا پڑ رہا ہے، تو کسی نے کہا کہ حضرت خزیمہؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہوا ہے کہ اس اکیلے کی گواہی دو کے برابر ہوا کرے گی۔ یہ واقعہ یوں تھا کہ ایک یہودی نے آپ ﷺ کو قرضہ دیا ہوا تھا۔ وہ قرضہ حضور ﷺ نے ادا کر دیا تھا لیکن اس وقت کوئی گواہ موجود نہیں تھا۔ وہ یہودی آپؐ کو پریشان کرنے کے لئے آیا کہ میرا قرضہ واپس کریں۔ حضورؐ نے فرمایا میں نے ادا کر دیا ہے۔ اُس نے کہا گواہ لاؤ تو گواہ تو کوئی تھا نہیں۔ حضرت خزیمہؓ نے یہ بحث سنی تو انہوں نے کہا میں گواہ ہوں۔ یہ سن کر وہ یہودی بھاگ گیا۔ تو جناب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ آپ

تو وہاں نہیں تھے آپ کس طرح گواہی دے رہے ہیں؟ حضرت خزیمہؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے کہنے پر ہم نے اللہ کو مان لیا ہے، آخرت کو مان لیا ہے، اتنی بڑی باتوں کو تسلیم کرلیا ہے تو آپؐ اگر فرما رہے ہیں کہ پیسے دیئے ہوئے ہیں تو ہمیں اور کس ثبوت کی ضرورت ہے تو اس لئے میں گواہی دے رہا تھا۔ آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ان کی گواہی آئندہ دو کے برابر ہوا کرے گی۔

یہ سارا ریکارڈ جمع ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس ایک کتابی شکل میں رکھا گیا اور یہ گویا ایک سرکاری ریکارڈ (State record) تھا۔ دورِ فاروقی میں بھی ایسے ہی رہا۔ (باقی اگلے شمارے میں)

ضروری

(ڈاکٹر محمد سفیر صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر، کبیر میڈیکل کالج، پشاور)

آج کل ایک دوائی جس کا فارماکولاجیکل نام Clopidegrel ہے، کا استعمال ڈاکٹر حضرات اور خاص طور پر ماہرین امراضِ قلب (Cardiologists) بہت زیادہ کر رہے ہیں۔ یہ دوائی اور اسپرین دونوں دل کی بیماریوں میں استعمال ہوتی ہیں تاکہ خون کا بہاؤ جاری رہے اور خاص کر دل کی شریانوں میں خون کا بہاؤ جاری رکھنے کے لئے اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

عالمی سطح پر دونوں دوائیوں پر جو تحقیقات ہوئی ہیں ان کے مطابق دونوں کے اثرات ایک طرح کے ہیں۔ لیکن دونوں دوائیوں میں clopidegrel انتہائی خطرناک ہے اس لئے کہ خون کے بہاؤ کہ پر اس کا اثر دوائی بند کرنے کے ایک ہفتہ بعد تک بھی رہتا ہے۔ جبکہ اسپرین کا اثر تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا ہے۔ اب اگر ایک مریض clopidegrel استعمال کر رہا ہے اور اس کو کوئی ایمرجنسی آپریشن کی ضرورت یا عورت استعمال کر رہی ہے اور بچے کی پیدائش کا وقت آجائے تو اگر یہ دوائی ایک ہفتے پہلے بند نہ کی جائے تو bleeding (خون بہنا) نہیں رکے گی جو کہ جان لیوا بھی ہو سکتی ہے۔

یورپ اور دیگر ممالک میں جس دوائی کے مضر اثرات (Side Effects) ظاہر ہوں تو وہ حقائق کو چھپا کر بنائی ہوئی دوائی پاکستان جیسے ممالک پر بیچ دی جاتی ہے۔ یہ حال اس دوائی clopigdegrel کا بھی ہے۔ جب ان کی دوائی کے اخراجات پورے ہو جائیں گے تو پھر اس کے جان لیوا مضر اثرات کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

ملفوظاتِ شیخ (حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم)

(ظہور الہٰی فاروقی صاحب) (قسط نمبر:۲۱)

معجزہ، کرامت اور تصرّف:

فرمایا کہ معجزہ اور کرامت من جانب اللہ بغیر اسباب کے ہوتا ہے، اور تصرف رُوح کی قوت سے ہوتا ہے، تصرف کرامت نہیں ہے یہ رُوح کی قوت ہے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگل میں سفر پر تھے، پیاس لگ گئی اور پاس کہیں پانی نہیں تھا۔ دیکھا کہ آگے بکریاں چر رہی ہیں، چرواہے کو ڈھونڈا، اس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسی بکری کا دودھ دوہ کر ہمیں پلا سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں تو نوکر ہوں اور یہ بکریاں تو فلانے آدمی کی ہیں، میں اس کے مال میں اس کی اجازت کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اسلام سے پہلے بھی عربوں میں دین ابراھیمی کا ایک تاثر باقی تھا۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اچھا کوئی ایسی ہی بکری لاؤ جو بے دودھ کے ہو (یعنی جس نے بچہ نہ دیا ہو)۔ چرواہے نے کہا کہ ویسی تو ہے مگر یہ آپ کے کس کام کی ہے؟ فرمایا: تم لاؤ تو سہی۔ چرواہے نے ایک بکری پیش کی۔ حضور ﷺ نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیر کر دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً تھنوں کو دودھ سے بھر دیا۔ پھر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے اتنا دودھ نکالا کہ تینوں نے سیراب ہو کر پیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی دُعا سے تھن خشک ہو کر اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ یہ معجزہ تھا، اس طرح کی بات اولیاء اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے۔ آدمی کے اعمال درست نہ ہوں اور اُس سے عقل کو حیران کرنے والی باتیں ظاہر ہو جائیں تو یہ تصرف ہوتا ہے۔ نفس کا مجاہدہ کر کے تصرف کی قوت کافر بھی حاصل کر لیتا ہے۔

یہ چرواہا کہتا ہے کہ وہ آدمی تو چلا گیا، میں پہچانتا بھی نہیں تھا کہ آدمی کون ہے، لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ وہ ایسا آدمی تھا کہ جس کی آنکھیں اور نگاہیں بہت ہی اطمینان والی تھیں۔ وہ کوئی الفاظ ہیں عربی کے حضرت مولانا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے رجل ذو نظر مطمئنہ کہ ایک مرد.. دو بہت ہی اطمینان والی آنکھوں والا تھا۔ اب وہ بار بار یاد آ رہے ہیں، سارا دن سوچتا رہا پھر یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں تو

مالک کے حوالے کرتا ہوں اور میں اس آدمی کو ڈھونڈتا ہوں۔ آخر حضور ﷺ کے پاس پہنچے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ علم سے بھرا ہوا برتن ہیں۔ ہمارا فقہ حنفی جن علماء کی قرآن وحدیث کی بیان کی ہوئی تشریح ہے، اُن میں ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

ہر عمل کا وجود امرِالٰهی سے هے، امرِ الٰهی نه هو تو عمل وجود میں نهیں آتا:

فرمایا کہ تخلیق اور اَمر یعنی جو چیز پیدا ہوئی ہے اور جو کچھ وہ کر رہی ہے اور جو ہو رہا ہے۔ خلق بھی اللہ تعالیٰ کے اِرادہ سے وجود میں آیا اور اَمر بھی اللہ تعالیٰ کے اِرادہ سے وجود میں آیا۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، آگ جلتی رہی اور سوائے ابراھیم علیہ السلام کے باقی چیزوں کے لیے اس کی جلانے کی تاثیر بھی باقی رہی اور فقط حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے نہیں رہی کیونکہ ابراھیم علیہ السلام کے لیے آگ کو حکم ہو گیا کہ

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ۝ (الانبیاء:۶۹)

ترجمہ: ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراھیم کے حق میں۔

برد کا حکم ہوتے ہی آگ کی گرمی ختم اور اس میں ٹھنڈ پیدا ہو گئی۔ اگر ٹھنڈ زیادہ ہو جائے تو وہ بھی آدمی کے وجود کے لیے خطرہ ہے اس لیے سلاماً بھی فرمایا کہ اتنی ٹھنڈی نہ ہو کہ ان کو تکلیف دے بلکہ ان کے لیے راحت کا سامان ہو جا۔ جن رسیوں سے باندھ کر آگ میں گرایا گیا وہ رسیاں تو اس آگ سے جلیں لیکن حضرت ابراھیم علیہ السلام نہیں جلے۔ اس منظر کو نمرود بادشاہ کی بیٹی نے دیکھا تو اس نے ابراھیم علیہ السلام سے سوال کیا کہ اگر میں بھی اس ایمان اور کلمے کے ساتھ آگ میں آؤں تو مجھے بھی کچھ نہیں کہے گی۔ ابراھیم علیہ السلام نے کہا تجھے بھی کچھ نہیں کہے گی، کلمہ پڑھ کے وہ بھی آگ میں آئی اور محفوظ رہی۔ تو آگ کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے سلب کر لی، آگ آگ رہی لیکن اس نے جلایا نہیں، باقی چیزوں کو جلایا ہے لیکن حضرت ابراھیم علیہ السلام کو نہیں جلایا۔

آگ کا جلنا ایک عمل ہے اور عمل کا وجود امرِ الٰہی سے ہے، امرِ الٰہی نہ ہو تو عمل وجود میں

نہیں آتا۔

اسباب محض ایک وسیلہ ہیں:

فرمایا کہ اسباب کے ہوتے ہوئے توکل کرنا مشکل ہے۔ سارے اسباب کو اختیار کرنے کے بعد آدمی کے دِل میں یہ ہو کہ یہ محض ایک وسیلہ ہیں اور پھر دِل دُعا کی طرف ایسے متوجہ ہو جیسے بغیر اسباب کے ہوتا ہے کہ یا اللہ! تُو ہی کرے گا، یا اللہ! تیرا ہی آسرا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک تبدیلی کروانی تھی۔ ان دنوں ہاشم خان صاحب وزیر تعلیم ہو گئے، میں نے ایک درخواست ان کے گھر بھیجی اور گھر والی کو ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ صبح اس کو جیب میں ڈال کر دینا کہ ہماری تبدیلی کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے بڑے لحاظ والے آدمی تھے۔ صبح واقعی جیب میں ڈال کر لے گئے، اپنے پی اے کو درخواست دی اس نے ایبٹ آباد بھیج دی۔ ان کے پی۔ اے کو میں نے کہا کہ میں فلانے دن جاؤں گا آپ ذرا ٹیلی فون کر دینا، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ میں ڈِسٹرک ایجوکیشن آفس گیا تو سوچا کہ پہلے کلریکل سٹاف سے پوچھوں کہ اس پر کیا عمل درآمد ہوا ہے، فائل کیسے چلی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ کوئی پوسٹ ہی نہیں ہے، میری زبان سے فوراً نکلا ''یا اللہ! اسباب تو یہیں تک تھے، میں نے اختیار کر لیے، اس سے آگے میرے بس میں نہیں ہے، تُو ہی کر دے۔'' دُعا کر لی اور پھر جوں ہی ڈِسٹرک ایجوکیشن افسر کے پاس گیا، اسی وقت پی۔ اے کو کہیں یاد آیا اور اس نے ٹیلی فون کر دیا۔ جُوں ہی میں کمرے میں داخل ہوا تو اس کے سامنے ایک کاغذ پڑا تھا جس پر بڑا بڑا میرا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے کہا **السّلام علیکم**، اس نے کہا پخیر ڈاکٹر صیب! آپ آ گئے۔ اس نے تھوڑی دیر میں ہلچل مچا دی، کہ فلاں رجسٹر لاؤ، فلاں رجسٹر لاؤ۔ مجھ سے کہا کہ آپ خفا نہ ہوں تھوڑا سا اس میں کام کرنا پڑے گا، پھر آپ تکلیف نہ کریں، کسی کو بھیج دیں۔ میں نے کہا کہ یا اللہ! کر تو آپ خود ہی رہے تھے لیکن ہم پر وہ حال طاری کیا کہ یا اللہ ہم کیا کریں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک شعر حضرت مولانا

صاحب رحمتہ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے:

آپ ہی کرتے وہ سارے کام ہیں
آپ ہی کردیتے کسی کا نام ہیں

حدیثِ مسلسل کی اجازت:

فرمایا کہ مسعود الرحمٰن (سلسلے میں بیعت مُرید) نے جب 'مردِ درویش' پڑھی اور پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے اس میں حدیث مسلسل کا لکھا ہے کہ اس کی اجازت ہوتی ہے۔ حضرت مولانا محمد اشرف رحمتہ اللہ علیہ کو حدیثِ مسلسل کی اجازت مولانا یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ سے ملی تھی۔ تو مسعود الرحمٰن کہہ رہا تھا کہ اب تین چار دفعہ میں بھی مجالس میں آچکا ہوں، اب تو ہماری بھی حدیثِ مسلسل کی اجازت ہونی چاہئے۔ میں نے کہا کہ یہ تو بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ کیسے؟ میں نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں جب جہاد ہوتا تھا تو سب سے آگے تابوتِ سکینہ رکھا جاتا تھا۔ تابوتِ سکینہ ایک بڑا صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، چغہ اور تورات کی تختیاں ہوتی تھیں، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے تھے۔ تابوتِ سکینہ کے تبرک کا قرآن کی آیت میں ذِکر آیا ہوا ہے۔ بعض لوگ بزرگوں کے تبرکات کو نہیں مانتے، تو اس پر قرآن کی آیت گواہی دے رہی ہے۔ تو میں نے کہا کہ تابوتِ سکینہ کے آگے جہاد میں چار جرنیل کھڑے ہوتے تھے، اور جب وہ وہاں قدم رکھتے تھے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اُنھوں نے جان دے دی کیونکہ ان کے زندہ واپس آنے کے حالات نہیں ہوتے تھے۔ تو اس نے کہا کہ اچھا!...... یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔

متصرف فقیر کے دَم تعویز کی تاثیر:

فرمایا کہ دیوبند کے بانیوں میں سے حاجی عابد علی صاحب ہیں، آپ عالم تو نہیں تھے لیکن بہت بڑے عارف اور تعلق مع اللہ والے تھے اور بہت متصرف فقیر تھے اور ان کے دم تعویذ میں بڑی تاثیر تھی۔ ایک دفعہ ان کے معتقدین میں سے ایک شخص کسی مقدمے کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہوا، جب جج کے سامنے بیان دینے لگا تو اس نے کہا کہ ذرا صبر کریں میں ابھی آیا، دوڑ کر باہر گیا اور اپنی پگڑی سَر پر رکھ کر واپس آگیا۔ جج نے کہا کہ کہاں چلے گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ حاجی صاحب کا تعویذ لایا تھا وہ باہر رہ گیا

تھا، اسے لینے گیا تھا۔ جج نے کہا دیکھتے ہیں حاجی صاحب کا تعویذ کیا کام کرے گا، ابھی تمہارے خلاف فیصلہ لکھتا ہوں۔ تو جج نے اس کے خلاف فیصلہ لکھ کر دستخط کر کے دے دیا۔ لیکن جب آدمی کو فیصلہ ملا تو اس کے حق میں تھا، اس نے جا کر فیصلہ نافذ کرا دیا۔ جج صاحب کو جب پتہ چلا تو اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو گیا، میں نے تو اس کے خلاف فیصلہ لکھا تھا۔ اس نے جہاں should not be given لکھنا تھا وہاں بھول گیا اور should be given لکھ دیا اور اس کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ واقعی not مجھ سے بھول گیا۔

سُنت پر نفس کی خواہش کو قربان کرنا، نفس کے مزوں کو چھوڑنا اور حکم کو لینا:

فرمایا کہ سنت پر نفس کی خواہش کو قربان کرنا یہ مجاہدہ ہے، مفادات کو قربان کر کے حکم کو لینا یہ مجاہدہ ہے، نفس کے مزوں کو چھوڑنا، اس امتحان کو پاس کرنا ہوتا ہے اور اس کے بعد بات بنتی ہے۔ کبھی کبھی آپ کو سنایا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ حضرت ابوسعید گنگوہیؒ گزرے ہیں، ان کا واقعہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں بھی آیا ہے۔ جس دن پڑھا گیا تو ہمارے فقراء نے ایسی چیخیں ماریں کہ لوگ کہتے تھے کہ کوئی مر گیا ہے یا کچھ ہو گیا ہے۔ دوسرے دن شیخ سعدیؒ کی گلستان کا درس تھا اس میں ایسا ہنسی کا واقعہ تھا کہ ہنس ہنس کے شامت ہو رہی تھی۔ میں نے کہا کہ لوگ کہیں گے کہ عجیب فقراء ہیں کہ کل چیخیں مار کر رو رہے تھے اور آج ہنس ہنس کر اچھل رہے ہیں۔ بزرگوں کی عجیب شانیں ہوتی ہیں، شیخ سعدیؒ کا فیض ہنسی مذاق میں بند ہے، اس سے ملتا ہے۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ جس وقت حضرت ابوسعید گنگوہیؒ کی حضرت نظام الدین بلخیؒ تربیت کر رہے تھے اور ان کے نفس کو توڑ رہے تھے تو اس میں ان کے ذمے مختلف قسم کے کام لگائے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی بیوی نے کہا کہ بچوں نے جو کبوتر پالے ہیں ان کو روزانہ بلی آ کر کھا جاتی ہے، اتنے تمہارے مُرید ہیں، کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ اس کا بندوبست کر لے۔ تو اُنھوں نے ابوسعیدؒ سے کہا کہ کبوتروں کا بندوبست کرو کہ بلی ان کو کیسے کھا جاتی ہے۔ اب بیچارے سارا دِن کوشش کرتے رہے، جو سوراخ جو راستہ ملتا تھا سب بند کر دیے، لیکن پھر بلی آئی اور کبوتر کھا گئی۔ آخر وہ غور کرتے رہے تو اُنھوں نے دیکھا کہ ایک جگہ ہے جہاں پانی کی نالی ہے اور بلی اس نالی سے آ جاتی ہے۔ رات کو

انھیں اس وقت پتہ چلا جب نالی کو بند کرنے کا کوئی سبب اور وسیلہ اُن کے پاس نہیں تھا اور کافی تھک بھی گئے تھے۔ اُنھوں نے اس طرح کیا کہ سَر نالی کے اندر دے کر اس کو بند کر دیا اور سو گئے۔ اب رات کو بارش ہوگئی اور نالی کا پانی جو رُکا اور گھر والوں کو تکلیف ہوئی تو ایک بڑا ڈنڈا لے کر نالی میں مارا، نالی تو نہیں کھلی لیکن تھوڑی دیر کے بعد خون کا ایک دھارا وہاں آ گیا، جا کر جو دیکھا تو اُن کا سر پھٹا ہوا تھا۔ بس اُن کو اُٹھایا کہ سُبحان اللّٰہ! اُنھوں نے امتثالِ امر کے لیے اپنا سر پھوڑ دیا۔

ایک یہ واقعہ ان کا ہے اور ایک دوسرا جب ان کو شکاری کتوں کو روکنے کا کہا کہ برخوردار! ان شکاری کتوں کو کسی حال میں نہیں چھوڑنا۔ کہتے ہیں کہ کتے جب دوڑے تو مجھے اندازہ ہوا کہ میرے ہاتھ سے نکل جائیں گے تو میں نے اپنی کمر سے ان کی زنجیر باندھ لی، جب میرا زور ختم ہوگیا تو میں گرا، کتوں نے جھاڑیوں میں، کنکروں پر اور پتھروں پر گھسیٹا۔ شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اس نے اپنی طرف سے حکم پر جان بھی دے دی۔ باطن میں ایک صفائی ہوتی ہے جو ان مجاہدات کے بعد آتی ہے۔ بس پھر اس صاف تختی پر لکھنا تو اتنا لمبا کام نہیں ہوتا، تھوڑی دیر میں لکھ لکھا کر آدمی کو فارغ کر دیتے ہیں۔ وقت جو لگتا ہے وہ صفائی پر لگتا ہے۔ تو انھیں کہا کہ اب آپ ہندوستان جائیں گے اور جس دولت کو میں آپ کے دادا حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سے لے کر آیا تھا اس کو آپ اپنے ساتھ لے کر جا رہے ہیں۔

سلسلے میں ایک آدمی تنا ہوتا ہے اور باقی شاخیں ہوتی ہیں، کوئی ایک آدمی ایسا قبول ہوتا ہے جو تنے کے طور پر آگے چلتا ہے، حضرت ابوسعید گنگوہیؒ ہمارے سلسلے چشتیہ صابریہ میں تنے کے طور پر ہیں۔ جب بھی ہم شجرہ پڑھتے ہیں تو اس میں ان کا نام بھی ہوتا ہے۔ سُبحان اللّٰہ! ایک دو دن کی بات نہیں ہے۔

ے
تُو خاک میں مل تُو آگ میں جل
جب اینٹ بنے تب کام چلے
ان کچی پکی بنیادوں پر
تعمیر نہ کر تعمیر نہ کر

(جاری ہے)

چھوت چھات

برخوردار عمران اللہ تھرڈ ائیر ایم بی بی ایس کا طالب علم خیبر میڈیکل کالج کا بندہ کے ساتھ بیعت کا تعلق ہے۔ اُس نے بیماریوں کے پھیلنے کے بارے میں میڈیکل کے متعدی اور چھوت چھات (Contagious) کے نظریئے کے بارے میں بندہ سے پوچھا کیونکہ بظاہرہ میڈیکل کے اس نظریئے اور چھوت چھات کے بارے میں حدیث کا ٹکراؤ محسوس ہوتا ہے۔ بندہ نے خود جواب دینے کے بجائے برخوردار کو دارالعلوم کراچی سے فتویٰ لینے کا کہا۔ دارالعلوم والوں نے ازراہ مہربانی اور شفقت فتویٰ دیا۔ چونکہ یہ عام فائدے کی چیز تھی اس لئے رسالے میں شائع کیا ہے۔

تعلیم الاسلام کے صفحہ ۳۲ پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ

س: ان باتوں کے علاوہ اور بھی افعال شرکیہ ہیں یا نہیں؟ پھر اس سوال کا جواب لکھا ہے اور جواب میں مثالیں دی ہیں۔

ج: ہاں بہت سے کام ایسے ہیں کہ ان میں شرک کی ملاوٹ ہے مثلاً ''چیچک یا کسی اور بیماری کی چھوت کرنا اور یہ سمجھنا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے ''۔

میں میڈیکل کا طالب علم ہوں ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے اور ڈاکٹر حضرات بھی کہتے ہیں کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک آدمی سے دوسرے آدمی کو لگ سکتی ہے اس لئے جس آدمی کو یہ خاص بیماری ہوتی ہے اس کے گھر والوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اس آدمی کو دوسروں سے الگ رکھیں تاکہ دوسروں کو یہ خاص بیماری نہ لگ جائے۔

(اس سلسلہ میں کیا عقیدہ اور سوچ ہونی چاہئے؟)

عمران اللہ

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً و مصلیاً

جواب سے پہلے تمہید کے طور پر یہ بات سمجھ لیں کہ ایک شخص سے دوسرے شخص کو مرض کا متعدی ہونا یہ اس مرض کی ذاتی تاثیر نہیں بلکہ محض ایک سبب ہے، یعنی جس طرح سخت سردی میں ٹھنڈا پانی استعمال کرنے سے زکام ہو جاتا ہے یا ہوسکتا ہے تو یہاں زکام کا سبب ٹھنڈے پانی کا استعمال ہے لیکن یہ اس ٹھنڈے پانی کی تاثیر نہیں، اس طرح بیمار شخص سے اختلاط کی وجہ سے دوسرے شخص کو مرض لگ جانا بھی محض ایک سبب ہے یعنی ایسا ہوسکتا ہے اور یہ کوئی غلط عقیدہ نہیں ہے۔

ہاں اسلام نے جس عقیدے کو غلط کہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ اس سبب کو مؤثر بالذات مانا جائے کہ اس پر اثر کا ترتب خود بخود ہو جاتا ہے یعنی مرض کا ایک شخص سے دوسرے کو لگنا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے نہیں ہوتا بلکہ سبب کے ذاتی تاثیر سے ہوتا ہے اور ایسا ضرور ہوتا ہے تو یہ بلاشبہ غلط اور شرکیہ عقیدہ ہے۔

اس تمہید کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ تعلیم الاسلام میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ ''چیچک یا کسی اور بیماری کی چھوت کرنا اور یہ سمجھنا کہ ایک بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے'' اس میں بھی حضرت نے جس کو شرک کہا ہے وہ دوسری صورت ہے لہٰذا اگر کوئی شخص متعدی مرض والے سے اس لئے بچے کہ مجھے نہ لگ جائے تو کوئی گناہ نہیں اور اگر کوئی شخص اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یہ سمجھ کر کہ سبب میں ذاتی تأثیر نہیں مریض سے اختلاط کرے تو بھی گناہ نہیں لہٰذا دونوں جانبوں پر عمل کرنے میں توسیع ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوت چھات نہیں ہے۔ یفتح فسکون نفتح اور قاموس میں خرابی کے معنی میں ہے اور امام تورپشتیؒ نے فرمایا یہاں عدوی کے معنی بیمار سے بیماری کسی تندرست آدمی کی طرف منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں میں اپنے اچھے اخلاق منتقل کئے اور یہ وہی نظریہ ہے جس

کے اطباء (یا آج کل ڈاکٹر) سات بیماریوں کوڑھی، خارش، چیچک، خسرہ، منہ کی بدبو، آشوبِ چشم اور وبائی امراض کے قائل ہیں۔

البتہ علماء حضرات کا اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مراد اس سے نفی اور اس کا ابطال ہے جیسا کہ اس پر ظاہرِ حدیث اور عدوی پر قائم کیے گئے قرائن دلالت کرتے ہیں اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے جبکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ صاحب شریعت نے اس کا ابطال نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ ”مجذومی آدمی سے اس طرح بھاگو جس طرح کہ شیر سے بھاگتے ہو۔“ اور اسی طرح دوسری جگہ فرمایا کہ ”کسی مصیبت زدہ شخص کو کسی تندرست آدمی کے پاس نہ لایا جائے“۔ البتہ اُس سے اِن کی مراد اس عقیدہ اور نظریہ کی نفی کرنا کہ جس کے یہ اطباء اور ڈاکٹر قائل ہیں۔ اس لئے کہ اِن کا خیال ہے یہ متعدی بیماریاں ہر حال میں مؤثر بالذات ہیں پس اپنے اس قول (لا عدوی) سے ان کو سمجھا دیا کہ معاملہ وہ نہیں ہے جیسا کہ اُن کو وہم ہے بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشئیت سے ہے اگر چاہے تو بیماری لگ جاتی ہے اور اگر نہ چاہے تو نہیں لگتی اور اسی معنی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ”پہلے اونٹ میں خارش کس نے لگائی“ اشارہ کرتی ہے یعنی اگر تمہارا خیال کہ دوسرے اونٹ میں خارش کا سبب سوائے پہلے کے کوئی نہیں ہے ”تو اس پہلے اونٹ میں کس نے لگائی“۔ اور اپنے اس قول ” فر من المجنم “ اور ” لا یوردن ذوعاھۃ علی مصح “ سے یہ بیان فرمایا کہ ان بیماریوں میں مبتلا شخص کی قربت یہ بیماری کے اسباب میں سے ہے تو اس سے ایسا بچو جس طرح کہ گرنے والی دیوار سے اور عیب دار کشتی سے بچتے ہو۔

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ! ۲۹ مئی بروز ہفتہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کے بعد ہوگا۔ ساتھی اپنا بستر ساتھ لائیں۔

تعزیت

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ)

گزشتہ ایام میں سلسلہ کے دوستوں میں وفاتیں ہوئیں جن کا تذکرہ ادارہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت مولانا امام شاہ صاحب دارالعلوم سرحد، پشاور کے فارغ التحصیل عالم تھے۔ فقیر منش، سادہ طبیعت، سادہ لباس، طبیعت میں مجاہدہ، دین کے فروغ کے لئے جان کو خطرات سے دوچار کرنا ان کے مزاج میں تھا۔ نام ونمود اور شہرت حاصل ہونے سے دور بھاگنے والے تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختمِ نبوت میں زوردار کام کیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ امامت، تدریس، تقریر تینوں ذرائع سے آخرِ حیات تک دین کی خدمت کرتے رہے۔ آخر دم تک کام کرتے کرتے جان جاں آفرین کے سپرد کردی۔ موصوف میراث اور جائیداد کی تقسیم کے مسئلے میں پشاور میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ واقعی یہ حضرات زندگی کے ہر منٹ، سیکنڈ کو آخرت کے لحاظ سے انتہائی قیمتی بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ سے نوازے۔

۲۔ جناب پُردل خان صاحب سلسلہ کے معتقد ومہربان جناب پروفیسر ڈاکٹر اعجاز صاحب کے والد صاحب تھے۔ پشتو اکیڈمی کے نامی گرامی، محقق اور سکالر تھے۔ پشتو ادب کے مشہور ادیبوں میں سے تھے۔ ان کے پورے خاندان کو اللہ نے تعلیم اور مختلف شعبوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں کے باوجود انتہائی شرافت سے نوازا ہے۔ فقرا، علماء کی خاص محبت ان کا شعار ہے۔ موصوف ایک مخلص اور متقی شخصیت تھے۔ اللہ مغفرت سے نوازے اور درجات بلند فرمائے۔

۳۔ بندہ کے شیخ ومربی جناب حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے برادرِ نسبتی جناب انجینئر مولانا لطف الرحمٰن صاحب ڈائرکٹر آف ورکس، زرعی یونیورسٹی کے صاحبزادے حافظ عاطف الرحمٰن سوئی گیس کے حادثے میں جل گئے۔ چند دن ہسپتال میں رہ کر وفات پا گئے۔ تقریباً بیس سال عمر تھی، سول انجینئرنگ کے سال دوم کے طالب علم تھے۔ حافظ قرآن، باشرع، متقی برخوردار تھے۔ یقیناً ان کی وفات خاندان کے لئے انتہائی اندوہناک ہے۔ ہم ان کے غم میں شریک ہیں۔ غم جتنا اندوہناک ہوتا ہے اتنا ہی اجر وثواب دلانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جل کر مرنے کی موت کو بھی شہادت میں شمار کیا گیا ہے۔ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ موصوف بخشے بخشائے تھے۔ خاندان کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور حافظ صاحب کو ہم سب کے لئے شفاعت کا ذریعہ بنائے۔

اللہ تعالیٰ کا تعلق

(ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہٗ)

اللہ تعالیٰ کا تعلق ایک عظیم سرمایہ ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں کی کنجی ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے ظاہری باطنی اصلاح کی ضرورت ہے اور اعمال میں لگنے کی ضرورت ہے۔ عام طور پر صرف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، تلاوت کو ہی اعمال سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ساری زندگی مختلف اعمال کا مجموعہ ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ بعض باتیں فرض واجب درجے کی ہیں جن میں کوتاہی کرنا کبیرہ گناہ کے زمرے میں آتا ہے لیکن اُس طرف ہم اہلِ علم ومشائخ اور معاشرے کے دانشوروں تک کو دھیان ہی نہیں ہوتا۔

انسان کے اہم فرائض میں سے ایک فریضہ اپنی جان کی حفاظت ہے۔ یہ جان ہماری اپنی نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے۔ بلا وجہ اس کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا۔ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃ. (البقرہ:۱۹۵)[ترجمہ: اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں] جدید سہولتیں اور جدید آلات جہاں سہولتیں لائے ہیں وہاں انسان کو خطرات میں بھی مبتلا کیا ہے۔ ان سہولتوں اور آلات کے خطرات جان لیوا حد تک ہیں۔ اپنے سامنے گزرے ہوئے چند واقعات غور کے لئے پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ خیبر میڈیکل کالج کے ہاسٹل کے غسلخانوں کے پانی گرم کرنے والے سوئی گیس کی گیزر کی گیس ساری رات لیک ہوتی رہی صبح ہاسٹل کا مالی ڈیوٹی پر آیا، اُس کے اوزار غسلخانوں والی عمارت میں تھے۔ اُس نے بجلی کی ٹیوب جلائی، ٹیوب کے شعلے سے گیس نے آگ پکڑی، زور کا دھماکہ ہوا، مالی مکمل جل گیا، ہسپتال پہنچاتے ہی وفات پا گیا۔

۲۔ کبیر میڈیکل کالج کی لیبارٹری میں صبح سویرے ٹیکنیشن آیا، بجلی کی ٹیوب جلائی، رات کو سوئی گیس بھر گئی تھی کیونکہ گیس پائپ کا والو (valve) کسی کوتاہی سے کھلا رہ گیا تھا۔ دھماکہ ہوا، آدمی کو آگ لگی، جو جلدی کنٹرول کر لی گئی، آدمی تو بچ گیا لیکن بجلی کے تاروں کے جلنے کی وجہ سے ادارے کا لاکھوں کا نقصان ہو گیا۔

۳۔ تین نوعمر ڈاکٹر صاحبان جو ایف سی پی ایس پارٹ II کی سپیشلسٹ کی ٹریننگ کر رہے تھے، راستے پر جا رہے تھے کہ اُن میں سے ایک گر پڑا، باقی دو کو حیرت ہوئی، اُٹھایا تو سر سے ایک جگہ سے خون بہہ

رہا تھا۔ڈاکٹر کی کلاشن کوف کی ہوائی گولی سے موت واقع ہوگئی۔

۴۔ اسی شمارے میں برخوردار سید عاطف الرحمٰن کی انتہائی دردانگیز شہادت کا تذکرہ ہے۔موصوف کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔گرمی کے موسم کی وجہ سے سوئی گیس کا ہیٹر ہٹا دیا گیا تھا۔سونے کی حالت میں پیر سوئی گیس کے والو کو لگ گیا جس سے وہ کھل گیا، کمرے میں گیس بھر گئی۔برخوردار اُٹھے دروازہ کھولا اور گیس کو جلدی نکالنے کے لئے پیڈیسٹل پنکھے کا پلگ بجلی کے شو میں ڈالا جس سے شعلہ ہوا،فوری آگ لگ گئی، پورا بدن جل گیا اور وفات ہوگئی۔

ان واقعات پر غور کیا جائے کہ سردیاں گزرنے کے بعد کیا ان والو کو مکمل نکال کر گیس کے ان سوراخوں کو مکمل بند کرنا فرض واجب ہے کہ نہیں ہے؟اور اس فرض واجب کو نظر انداز رکھنا گناہِ کبیرہ ہے کہ نہیں ہے؟

جب یقین کی حد تک یہ بات معلوم ہے کہ کلاشن کوف کی گولی گرنے تک ٹھنڈی نہیں ہوتی اور اُس سے آدمی کی موت واقع ہوسکتی ہے تو کیا کلاشن کوف سے ہوائی فائر کرنا اقدامِ قتل ہے کہ نہیں ہے؟اور ایسا کرنے والا قاتل ہے کہ نہیں ہے؟

جب اگلی گاڑی سے مناسب فاصلہ نہ ہو اور اگلی گاڑی کے اچانک بریک لگانے سے پچھلی گاڑی کے ٹکرانے کا خطرہ ہو اور ماہرین نے بتا دیا ہو کہ اتنی رفتار پر اگلی گاڑی سے اتنا فاصلہ رکھنا ہے تو کیا اُس کا فاصلہ نہ رکھ کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کا گناہ کیا گناہِ کبیرہ ہے کہ نہیں ہے؟

گاڑی سے آگے نکلنا (overtake) ایسے حال میں میں جب نکلنے کے لئے محفوظ حالات نہ ہوں اور اس طرح اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنا گناہِ کبیرہ ہے کہ نہیں ہے؟ جبکہ محض ہتھیار کا اشارہ کرنا کسی مسلمان کو صرف ڈرانے کے لئے بھی حرام ہے۔

محکمے نے سڑک کی مختلف جگہوں پر گاڑی کی رفتار متعین کر کے لکھ کر لگائی ہوئی ہے کیونکہ اُسی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے یہ خود اور دوسرے لوگ اس سے محفوظ ہوں گے۔کیا ان رفتاروں کو نظر انداز کرنا اور اُن کی پابندی نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے کہ نہیں ہے؟

آدمی نماز روزے کا تو بہت پابند ہو، ذکر اذکار بھی خوب کرتا ہو تو کیا مندرجہ بالا کوتاہیوں کو کرتے ہوئے اس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق مل سکے گا؟

عید کی نماز (قسط۔۵)

(مفتی شوکت صاحب، صوابی)

عذر سے کیا مراد ھے؟

اس بات کی وضاحت اسلئے ضروری ہے، کہ بعض حضرات کم فہمی کی وجہ سے غیر عذر کو عذر میں اور عذر کو غیر عذر میں داخل کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک صورت میں میدان میں نماز پڑھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جبکہ دوسری صورت کی وجہ سے لوگ افراط میں مبتلا ہو کر معذوروں کو بھی مجرم سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ عــــذر اصل میں (لغۃً) وہ دلیل ہے جس کے ذریعے مجبوری ظاہر کی جائے۔ اور اسی سے ہے متعذر بمعنی دشوار، ممنوع، ناممکن الحصول۔

(القاموس الجدید ص ۵۹۱، مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی، استاد دار العلوم دیوبند)

اس سے معلوم ہوا کہ عید گاہ (میدان) میں نماز پڑھنے سے وہ صورت مانع ہوگی جس کے ہوتے ہوئے لوگوں کو عید گاہ (یا میدان) تک جانے میں ایسی دشواری اور مشکلات آتی ہوں جس کو برداشت کرنا تکلیف کا باعث بن رہا ہو۔ جیسا کہ بارش کی صورت میں راستے اور عید گاہ (باہر میدان) میں دشواری صاف ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ نہایت بڑھاپا، بیماری، بدنی کمزوری جس کی وجہ سے عید گاہ تک جانے میں مرض کی زیادتی یا بدنی تکلیف لاحق ہوتی ہے۔ یہ تمام صورتیں واقعی عذر کی ہیں۔ ایسے لوگوں کیلئے مسئلہ یہ ہے کہ امام اپنے پیچھے ایک نائب مقرر کریں جو ان معذوروں کو نماز پڑھائیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر با لضعفاء و المرضیٰ و الا ضراء و یصلی ھو فی الجبانۃ بالاقویاء والاصحاء وان لم یستخلف احدًا کان له ذالک. (فتاویٰ قاضی خان ص۱۸۳، ج۱ حاشیہ ہندیہ ج۱)

ترجمہ: اور شہر میں مریضوں، کمزوروں اور نابینا لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے کوئی دوسرا شخص

مقرر کرے۔اور خود صحت مند و توانا لوگوں کو (باہر) میدان میں نماز پڑھائے،اور اگر (شہر میں پیچھے) کسی کو مقرر نہیں کیا تو اس کو یہ بھی اختیار ہے۔

فتاویٰ التاتارخانیہ میں ہے:

ثم اذا خرج الی الجبانة لصلوٰة العید فان استخلف رجلاً بالضعفة فی المسجد الجامع فحسن وان لم یفعل ذالک فلا شیء علیه.

(الفتاویٰ التاتار خانیه ۸۹ ج۲)

ترجمہ: جب نماز عید کیلئے باہر میدان میں (امام) چلا جائے،اگر پیچھے ضعفاء کیلئے ایک امام مقرر کر کے چھوڑ دیا تو بہت بہتر ہے اور یہ بھی نہیں کیا تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے (کیونکہ اُن کے ذمے عید کی نماز ہے ہی نہیں)

عذر کی وجہ سے تعدد جماعت:

جیسا کہ اوپر یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے کہ عید کی نماز کا اصل اور مسنون طریقہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کو شہر کے اندر علیٰحدہ علیٰحدہ مساجد میں پڑھنے کی بجائے وحدت و اجتماعیت کا مظاہرہ کر کے شہر سے باہر کھلے میدان میں پڑھا جائے۔البتہ اگر کہیں عذر شرعی متحقق ہو جائے تو اس صورت میں شریعت بیضاء نے ہم مسلمانوں کو اس بات کی رخصت عطا فرمائی ہے کہ پھر میدان کی بجائے شہر کی جامع مسجد میں پڑھی جائے اور اگر شہر بڑا ہے یا وہاں پر کوئی ایسی جامع مسجد نہیں ہے جس میں سارے لوگ سما سکیں تو پھر اس دوسرے عذر کی وجہ سے شہر کے اندر تعدد جماعت بھی جائز ہے۔پھر تعدد جماعت میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔دو مقامات میں بالاتفاق جائز ہے۔احسن الفتاویٰ میں ہے:

وفی الخلاصه والخانیه السنة ان یخرج الامام الی البانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلوٰة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق (ردالمختار ص۶/۷۷،ج۱) واللہ اعلم (احسن الفتاویٰ ج۴،ص۱۲۹)

اور اس سے زیادہ مقامات میں اختلاف ہے۔امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف دو مقامات میں

جائز ہے، جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک تین جگہوں میں بھی پڑھنا جائز ہے فتاویٰ التاتارخانیہ میں ہے:

وتجوز اقامة صلوٰةالعید فی الموضعین ،واقامتها فی ثلاثة مواضع فعلی قول محمد تجوز وعلی قول ابی یوسف لا تجوز (الفتاویٰ التاتارخانیه ۸۹ ج۲)

ترجمہ: اور عید کی نماز دو مقامات میں (بالاتفاق) جائز ہے، اور تین مقامات میں امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے جبکہ امام ابویوسفؒ کے قول پر جائز نہیں ہے۔

لیکن ''حلبی کبیر'' میں اداء صلوٰۃ العید کا جواز (ایک شہر میں) دو سے زیادہ مقامات میں بھی منقول ہے۔

یجوز اقامتها فی المصر و فناء ہ فی موضعین فاکثر. (حلبی کبیر ص ۵۷۲)

ترجمہ: شہر اور اسکے فنا میں دو جگہ یا اس سے بھی زیادہ مقامات میں نماز عید پڑھنا جائز ہے۔

اسی طرح فتاویٰ مفتی محمودؒ میں بھی ردالمختار کے حوالے سے تعدد مقامات کا جواز مطلقاً ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

قال فی تنویر علی هامش ردالمختار ج ۱ ص ۵۹۵ (و تؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً)... (فتاویٰ مفتی محمودؒ ج۲، ص ۵۱۷)

ترجمہ: تنویرالابصار کے حاشئے ردالمختار میں لکھا ہے: ایک شہر میں متعدد مقامات میں مطلقاً نماز عید ادا ہو جاتی ہے۔

فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر عذر کی وجہ سے باہر میدان کے بجائے شہر کے اندر نماز پڑھنا پڑ جائے، تو اس میں تعدد کی گنجائش موجود ہے۔

کیا عید گاہ کی دوری عذر ہے؟

اب اگر ایسی صورت ہو کہ بظاہر تو عذر نظر آ رہا ہو، لیکن حقیقت میں اس پر عذر کی تعریف صادق نہ آتی ہو۔ یعنی اس پر عمل کرنے کی صورت میں لوگوں کو کوئی خاص تکلیف اور مشکلات درپیش نہیں آتی۔ مثلاً ہم شہر سے عید گاہ کی دوری لیتے ہیں۔ ایک شہر یا گاؤں والے باہر میدان میں اس لئے نماز نہیں

پڑھتے کہ ان سے عیدگاہ یا شہر کے کھلے میدان دور واقع ہیں ۔(اب دوری اور مسافت اگرچہ ایک اضافی چیز ہے اور اس میں عذر کا درجہ پایا جاسکتا ہے)مگر اس کے باوجود ہم مطلق دوری کو عذر قرار نہیں دے سکتے ۔کیونکہ معروف دوری (بُعد) کی وجہ سے یہ عمل لوگوں پر بے شک شاق گزرے گا،مگر سوال یہ ہے کہ شریعت کے کون سے ایسے اعمال ہیں جن کے اندر معمولی مشقت بھی نہ پائی جاتی ہو۔یہ پورا مہینہ جو روزے رکھے گئے یہ کوئی آسان کام تھا۔۔؟اس بات سے سنت کو فرض پر قیاس نہ سمجھئے گا،اس سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ شریعت کے تمام احکام میں اپنے اپنے درجے کے حساب سے تکلیف پائی جاتی ہے۔تو اسی وجہ سے یہاں (**صلوٰۃ فی الجبانہ** کی صورت میں) بھی ہمیں عیدگاہ (یاباہر کھلے میدان) میں جاتے وقت کسی نہ کسی درجے میں مشقت برداشت کرنی پڑے گی۔کیا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی عید گاہ کی دوری کا ذکر نہیں آیا ہے اسی رسالے کے صفحہ نمبر۔۔۔۔پر فتاوی دارالعلوم دیوبند کے حوالے سے لکھا ہے کہ " **و بینہ وبین المسجد الشریف الف ازرعٍ** "(عیدگاہ اور مسجد نبوی کے درمیان ایک ہزار شرعی گز کا فاصلہ تھا) جس سے آج کے حساب سے تقریباً سات،آٹھ سو میٹر بنتا ہے۔اب آپ حضرات خود اندازہ لگائیں کہ ایک تو مدینہ سے پونے کلومیٹر دور جانا، پھر اس مسافت کو دونوں طرف سے پیدل طے کرنا،اس کیلئے اللہ کے حبیب ﷺ کو کچھ بھی مشقت نہیں اٹھانی پڑی ہے۔۔؟ حدیث میں آتا ہے۔

کان رسول اللہ ﷺ یخرج الی العید ماشیاً ویرجع ماشیاً (ابن ماجہ) رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے پیدل تشریف لے جاتے تھے اور (اسی طرح) واپسی پر بھی پیدل تشریف لاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں معروف دوری کو عذر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ہاں اگر شہر بہت بڑا ہے (مثلاً پشاور شہر) جس سے چاروں طرف آبادی ہی آبادی ہے تو اس سے باہر نکلنا مسلمانوں کیلئے واقعی نہایت مشکلات پیدا کرے گا،لہٰذا ایسی صورت حال میں شہر کے لوگوں کیلئے یہ دوری (بُعد) عذر سمجھا جائے گا۔

مذکورہ بالا صورت میں دوری عذر قرار دی جاسکتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا، کہ ہم ایک محلے میں بھی تین تین جماعتوں سے گریز نہ کریں۔ بلکہ اس عذر کی وجہ سے شریعت نے اتنی گنجائش دی ہے کہ شہر کے اندر ایک کھلا میدان نماز عید کے لئے منتخب کیا جائے، پھر اگر یہ صورت بھی نہیں ہوسکتی کہ کسی شہر کے اندر

ایسا کھلا میدان نہ ہوتو پھر آخری صورت یہ ہوگی کہ شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز پڑھائی جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ عذر (چاہے بدنی عذر ہو یا شہر سے عیدگاہ زیادہ دور ہو ہر) صورت میں شہر کے اندر متعدد مقامات میں نماز عید پڑھنا درست ہے۔ البتہ یہاں پر احسن الفتاویٰ کی عبارت دہراتا ہوں: ''اصل حکم یہی ہے کہ عید کیلئے شہر سے باہر ایک ہی جگہ اجتماع عظیم ہو۔ اس میں شوکت اسلام کا مظاہرہ بھی ہے۔ مگر بڑے شہروں سے باہر نکلنا مشکل ہے۔ اس لئے شہر کے اندر بڑے میدان یا بوقت ضرورت مسجد میں ادا کرنا درست ہے۔ لیکن حتی الامکان لازم ہے کہ ہر محلّہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کی جائے۔ (احسن الفتاویٰ ج ۴/ص ۱۲۹)

کیا آپس میں اختلافات کی وجہ سے مساجد میں الگ الگ عید کی نماز پڑھنا درست ہو گا...؟

بعض حضرات سے یہ بات سننے میں آئی کہ مساجد میں عید کی نماز پڑھنے کی ابتداء اس وجہ سے ہوئی ہے کہ بعض ائمہ مساجد آپس میں کچھ اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا گوارا نہیں کرتے تھے، تو علیٰحدہ علیٰحدہ مساجد میں نمازیں پڑھنے لگے۔ لہٰذا اب اگر دیگر اعذار (مثلاً بارش وغیرہ) کے علاوہ یہ عذر پیش کیا جائے کہ کسی علاقے کے علماء ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء نہ کرنے کی وجہ سے مساجد میں نماز پڑھتے ہیں یا بالفاظ دیگر اگر ایک علاقہ ایسا ہو جہاں پر علماء ایک دوسرے کے پیچھے پڑھنا نہیں چاہتے ہوں، وجہ اختلاف کچھ بھی ہو، تو یہ اختلاف ایک شرعی عذر بن جائے گا یا نہیں....؟ تو مناسب معلوم ہوا کہ اس بناء پر یہ مسئلہ واضح کر دیا جائے۔

قارئین حضرات! نماز عید کے بارے میں اصل حکم آپ حضرات پڑھ آئے کہ صحرا میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ اور بلا عذر مساجد میں پڑھنا مکروہ یا مکروہ تحریمی ہے۔ اس اصل حکم کی بنیاد پر ہمیں شریعت صرف اس صورت میں مسجد کے اندر نماز پڑھنے کی اجازت دیتی ہے جہاں پر عذر شرعی ثابت ہو جائے۔ پس جہاں عذر شرعی موجود ہوگا وہاں مسجد میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہوگا اور جہاں کسی شرعی عذر کے بغیر نماز عید مسجد میں پڑھائی جائے وہاں پر ظاہر بات ہے مکروہ ہوگا۔ (جاری ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ط اِلٰہِیۡ بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَ اَہۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّامِ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ٥ ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍ مَّکِیۡنٍ ٥ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَ مُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ٥ رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ٥ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ ط اِلٰہِیۡ بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَ اَہۡلِ بَیۡتِ الۡعِظَّامِ۔

دارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادرنوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جہری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سوبار **لا الٰہ الا اللّٰہ**، سوبار **الا اللّٰہ** اور سوبار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الٰہ الا اللّٰہ** دوسوبار، **الا اللّٰہ** چار سوبار **اَللّٰہُ اللّٰہ** چھ سوبار، **اللّٰہ** سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

ؔ جان جانی ہے جا کر رہے گی — موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

ؔ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی — کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا — وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا

ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہرحال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

یَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَۃٍمِّنۡ طِیۡنٍ ○ثُمَّ جَعَلۡنٰہُ نُطۡفَۃً فِیۡ قَرَارٍمَّکِیۡنٍ ○ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَۃَمُضۡغَۃً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَعِظٰمًافَکَسَوۡنَاالۡعِظٰمَ لَحۡمًا ق ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰہُ خَلۡقًا اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنِ ○رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنِ ○رَبِّ لَا تَذَرۡنِیۡ فَرۡدًاوَّ اَنۡتَ خَیۡرُالۡوٰرِثِیۡن ○رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ط یَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنٰثًاوَّیَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَا ط اِلٰھِی بِحُرۡمَتِ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ يَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ o رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ o رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَا ط اِلٰهِيْ بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَيْتِ الْعِظَّام.

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک و احسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف

علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سو بار **لا الہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دو سو بار، **الا اللّٰہ** چار سو بار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سو بار، **اللّٰہ** سو بار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کر سکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہو سکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کر سکتا ہے، رسول کا انکار کر سکتا ہے آخرت کا انکار کر سکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کر سکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی   موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ کُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْھَا وَالْقَبْرُ بَابٌ کُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْھَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہر حال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصَلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْب

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق،مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔
۳۔مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔
۴۔مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء،مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔
۵۔مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء،مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔
۶۔عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب،حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔
۷۔جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔
۸۔ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہوکر بوقت چاشت اتوار کوختم ہوتا ہے۔مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔
۹۔رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔
۱۰۔موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆